مواعظ
حیدرآباد دکن

مُرتّب وجامِع

مولانا رضوان القاسمی خطیبِ مسجد عامرہ

ناشِر

کُتب خانہ مظہری گلشنِ اقبال ۲، کراچی
فون : ۴٦٨١١٢ پاکستان ـــــ پوسٹ بکس : ١١١٨٢

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دعوۃ الی اللہ جل شانہ

اقتباسات مواعظ حیدر آباد دکن

حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب مدظلہ

خلیفہ

حضرت اقدس مولانا شاہ ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم

ناظم مجلس دعوۃ الحق ہردوئی - یوپی - ہند

وخادم خاص حضرت مولانا شاہ عبد الغنی پھولپوری رح

مجاز بیعت

حضرت اقدس حکیم الامت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی

مرتب وجامع

مولانا محمد رضوان القاسمی صاحب

ناشر

کتب خانہ مظہری گلشن اقبال ۲، کراچی

فون: ۴۶۸۱۱۲ پاکستان ---- پوسٹ بکس: ۱۱۱۸۲

فہرست مضامین

زبانِ عشق : از حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب مدظلہٗ ۳
تعارف و مقدمہ: مولانا محمد رضوان القاسمی صاحب ۴
کچھ زمین پر بھی چاند تارے ہیں ۴
منبر پر وہ کیا برسائیں گے ۵ — وہاں دیکھنا ہے کہ کیسے رہے ۶
شیطان کش دوا۔ ۷ — مسلح ہوکر نکلو ۷
ذکر میں تاثیر دور جام ہے ۸ — محبت کے لئے معرفت ضروری ہے ۹
[illegible] کی ضرورت ۱۱ — شیخ سے مناسبت ضروری ہے ۱۱
اولیاء اللہ ہر زمانے میں تو میرا پیر ہے ۱۲ — گر جواں بھی ہے تو میرا پیر ہے ۱۴
اگر آپ کے اندر کوئی روحانی اور اخلاقی مرض ہو۔ اصلاح کا اثر ۱۵
چین کی نگری ۲۰ — اللہ میں اپنی آہ کو سمو دیجیے ۲۰
بزرگانِ دین کو اہلِ دل کہنے کی وجہ ۲۱ — چھینک کے وقت الحمد للہ کہنے کی حکومت ۲۲
اور اس کا دماغ روشن ہوگیا ۲۳ — علمِ نبوت تو ہے، مگر نورِ نبوت نہیں ۲۴
عالم کا سونا عبادت کیوں ۲۶
زمین کی شہادت ۲۷
دوا کے ساتھ پرہیز بھی ضروری ۲۹ — ترقی کا صحیح مفہوم ۲۹
کسی خاکی پر مت کر خاک اپنی زندگی کو ۳۰
دنیوی زندگی ——— دھوکہ سامان ۳۱

"یہ ملتی ہے خدا کے عاشقوں سے"

(نظم بہ عنوان)

زبان عشق

از حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب مدظلہ

در راز شریعت کھولتی ہے ۔۔۔ زبان عشق جب کچھ بولتی ہے
خرد ہے محو حیرت اس زباں سے ۔۔۔ بیاں کرتی ہے جو آہ و فغاں سے
جو لفظوں سے ہوئے ظاہر معانی ۔۔۔ وہ پا سکتے نہیں درد نہانی
لغت تعبیر کرتی ہے معانی ۔۔۔ محبت دل کی کہتی ہے کہانی
کہاں پاؤ گے صدرا بازغہ میں ۔۔۔ نہاں جو غم ہے دل کے حاشیہ میں
مگر دولت یہ ملتی ہے کہاں سے ۔۔۔ بتاؤں میں ملے گی یہ جہاں سے
یہ ملتی ہے خدا کے عاشقوں سے ۔۔۔ دعاؤں سے اور انکی صحبتوں سے
وہ شاہ دو جہاں جس دل میں آئے ۔۔۔ مزے دونوں جہاں سے بڑھ کے پائے
ارے یارو جو خالق ہو شکر کا ۔۔۔ جمال شمس کا نور قمر کا
نہ لذت پوچھ پھر ذکر خدا کی ۔۔۔ حلاوت نام پاک کبریا کی
بگوید زیں سبب ایں عشق بے باک ۔۔۔ چہ نسبت خاک را با عالم پاک

یہ دولت درد اہل دل کی اختر
خدا بخشے جسے اس کا مقدر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تعارف وتقدمہ

از

مولانا محمد رضوان القاسمی صاحب فاضل دیوبند

خطیب مسجد عامرہ (عابد روڈ) حیدرآباد (دکن)

کچھ زمیں پر بھی چاند تارے ہیں

حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب مدظلہٗ بڑی خوبیوں اور کمالات کے بزرگ ہیں۔ ایک عرصہ ہوا ترک ہند کر کے پاکستان (کراچی) کی اقامت انھوں نے اختیار فرمائی ہے پہلے اصلاحی تعلق حضرت مولانا عبد الغنی پھولپوریؒ سے قائم فرمایا۔ ان کے وصال کے بعد حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم کی طرف رجوع ہوئے۔ اس کے کچھ ہی دنوں بعد "بارگاہ ابراری" سے سند خلافت عطا ہوئی۔ معارف مثنوی، معارف شمس تبریز، دنیا کی حقیقت، مجالس ابرار حضرت حکیم صاحب کی گراں قدر تالیفات ہیں جو علمی اور دینی حلقوں میں قدر کی نگاہوں سے دیکھی گئیں اور شوق کے ہاتھوں لی گئی ہیں۔ اپنے مرشد اول کی کتاب معرفت الٰہیہ کے مرتب بھی موصوف ہی ہیں۔

حضرت حکیم صاحب کا نام سن رکھا تھا کتابیں بھی ان کی مطالعہ میں آئی تھیں۔ دید کی حسرت دل میں تھی جو اب پوری ہوئی۔ وعظ کی مجلسوں میں بھی شرکت کی سعادت نصیبے میں آئی۔ بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ "دید" نے

"شنید" سے بڑھ کر پایا اور اس کا اندازہ ہوا کہ "اختر" (ستارہ) آسمان ہی پر نہیں زمین پر بھی ہیں۔ جیسا کہ ایک شاعر نے اپنے اس مصرعہ میں اس طرف اشارہ فرمایا ہے ؎ کچھ زمین پر بھی چاند تارے ہیں

حضرت حکیم صاحب کی مجلس بڑی پر کیف اور معلومات افزا ہوتی ہے۔ جس میں کہیں سے کسی تصنع اور تکلف کا احساس نہیں ہوتا۔ یہ عام واعظوں کی طرح اپنے سامعین کو ان کے خیالات کی وادی میں بھٹکتا ہوا چھوڑ کر خود بڑھے ہوئے نہیں چلے جاتے ہیں بلکہ شروع سے آخر تک اپنی دلبر با مسکراہٹ اور موثر واقعات، دلوں کو چھو لینے والے اشعار اور قرآن و حدیث کی دلنشیں تشریح و توضیح کے ساتھ انھیں اپنا "شریک سفر" بنائے رکھتے ہیں۔ یہ اپنی مجلس میں مولانا روم کے "باغ مثنوی" کی سیر جی بھر کر کرا تے ہیں۔ جس سے دل کو تازگی اور روح کو بالیدگی ملتی ہے اور غفلت دور ہو کر "حضوری" کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔

آج (۲۹ ربیع الثانی ۱۳۹۷ھ) صبح مدرسہ فیض العلوم باقر باغ سعید آباد حیدر آباد میں حضرت حکیم صاحب کی مجلس مقرر تھی۔ کافی لوگ شریک تھے جن میں اہل مدارس کی تعداد زیادہ تھی۔ گو یہ راقم الحروف کی حاضری قدرے تاخیر سے ہوئی۔ مگر جتنی باتیں سنیں ان میں سے ہر بات دل سے نکل کر دل تک پہنچ رہی تھی گویا دل کو دل سے کوئی رسم وراہ ہو۔ آیئے زمیں کے اس چاند تارے کی بزم سے آپ بھی کچھ استفادہ کیجئے۔

منبر پر وہ کیا برسائیں گے

فرمایا کہ ایک عالم اور ایک واعظ کو عمل کا پابند ہونا چاہیئے بغیر عمل کے صرف "قول" مفید اور موثر نہیں ہوتا۔ صاحب قصیدہ بردہ نے تو

"قول بلا عمل" سے مغفرت طلب کی ہے الفاظ ان کے یہ ہیں استغفراللہ من قول بلا عمل یعنی میں اللہ تعالیٰ سے اس قول سے پناہ چاہتا ہوں جو بغیر عمل کے ہو۔

ایک بزرگ کا واقعہ لکھا ہے کہ ایک صاحب ان کے پاس اپنے لڑکے کو لے کر آئے۔ کہنے لگے "حضرت یہ گڑ بہت کھاتا ہے۔ ہزار سمجھا مگر ایک بات بھی اس نے مان کر نہ دی۔ میں پریشان ہوں کہ اسے اس عمل سے کس طرح روکوں مجھے اندیشہ ہے کہ اس کثرت سے اگر یہ گڑ کھاتا رہے تو جگر خراب ہو جائے گا آپ دعا فرمائیے اور کچھ زبان مبارک سے نصیحت بھی فرما دیجئے"

بزرگ نے جواب میں فرمایا آپ کل تشریف لائیے۔ وہ آئے تو انھوں نے لڑکے کو نصیحت فرمائی اور دعا بھی کی۔ جب لڑکے کے والد جانے لگے تو پوچھا۔ حضرت یہ نصیحت اور دعا کل بھی آپ فرما سکتے تھے آج آپ نے کیوں بلایا؟

بزرگ نے فرمایا۔ بھئی کل تک بہت گڑ کھایا کرتا تھا۔ اس حالت میں اسے گڑ ترک کرنے کی نصیحت کیوں کرتا۔ آج میں نے خود گڑ کھانا کم کر دیا ہے تو پھر اسے نصیحت کی، تاکہ یہ نصیحت مؤثر ہو اور میں پوری قوت کے ساتھ اپنی بات کہہ سکوں فرمایا اس سلسلہ میں میں نے ایک شعر کہا ہے جو نہایت قابل غور ہے وہ یہ ہے ؎

جب نور ہی نہیں خود ہی دل میں منیر پر وہ کیا برسائیں گے

فرمایا کہ یہ دنیا چند روزہ ہے کسی طرح بسر ہو ہی جائے گی بگر	وہاں دیکھنا ہے کہ کیسے رہے

جب ہمیں یہاں کچھ کرنا ہے تو اچھا کام کیوں نہ کریں تاکہ آخرت میں کامیابی اور سرخروئی حاصل ہو جب کہ وہیں کی کامیابی اور سرخروئی اصل ہے۔ علامہ سید سلیمان ندویؒ نے اس گہری حقیقت کو اپنے ایک سادہ شعر میں کس خوبی کے ساتھ سمجھایا ہے۔ سنئے ؎

ہم ایسے رہے یا کہ ویسے رہے — وہاں دیکھنا ہے کہ کیسے رہے

شیطان کش دوا

فرمایا کہ آج کل وسوسہ کی بیماری عام ہے۔ طرح طرح کے بُرے خیالات ہمارے ایمان پر ڈاکہ ڈالتے رہتے ہیں۔ شیطان کا ہر طرف سے حملہ ہوتا ہے۔ اسی طرح سے جس طرح کہ مچھر اور کھٹمل کا۔ لوگوں نے مچھر اور کھٹمل کو مارنے کی نئی نئی دوائیں ایجاد کی ہیں اس کے باوجود ان کا مرنا یقینی نہیں۔ لیکن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وسوسہ کو دور کرنے اور وسوسہ شیطانی کو مارنے کے لئے ایک دوا تجویز فرمائی ہے بہت مختصر مگر نہایت زود اثر اور فائدہ قطعی ہے یہ دوا جامع صغیر میں موجود ہے الفاظ یہ ہیں آمَنْتُ بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ (میں ایمان لایا اللہ پر اور تمام رسولوں پر) میں نے ایک تبلیغی اجتماع میں اس "شیطان کش دوا" کا ذکر کیا تو ایک صاحب اس کا ذکر کثرت سے کرنے لگے۔ بعد میں انھوں نے بتایا کہ یہ تو بہت مؤثر ہے، کتنے وسوسے دور ہو گئے۔ میں بد نگاہی کے مرض میں بھی مبتلا تھا۔ گھر سے نکلتے ہوئے اور راستہ میں اس کا ورد کرتا تھا، اس کی برکت سے میرا یہ مرض ختم ہو گیا —— میں نے اس وقت خیال کیا کہ اصل تعلق تو اس کا "ایمان" سے ہے مگر بہت خوب کہ "اعمال" میں بھی اس کی برکت کا ظہور ہوتا ہے۔ آپ ہر بُرے خیال آنے کے ساتھ ذکر کے وقت، نماز سے قبل تلاوت کے وقت اور دوسرے "اعمال صالحہ" کے وقت اس کو پڑھ لیا کیجئے۔ انشاء اللہ بہت مفید پائیں گے۔

مسلح ہو کر نکلو

فرمایا کہ حضرت ہردوئی دامت برکاتہم (مولانا ابرار الحق صاحب مدظلہٗ) فرمایا کرتے ہیں کہ حدیث سے ثابت ہے کہ وضو مومن کا ہتھیار ہے۔ اس سے مسلح ہو کر نکلو

اس سے بد نگاہی اور دوسری چیزوں سے حفاظت ہوگی۔ شیطان جب تم کو مسلح دیکھے گا تو اسے تمہارے نزدیک آنے کی جرأت نہیں ہو سکتی۔ وہ تو دور ہی سے بھاگ کھڑا ہوگا۔" فرمایا اس لئے ہم لوگوں کو مسلح نکلنا چاہئے اس کے فائدے انشاء اللہ آپ خود محسوس کریں گے۔

یکم جمادی الاول ۱۳۹۷ھ مطابق ۲۱ اپریل ۱۹۷۷ء

بروز پنجشنبہ روزنامہ۔ نوید دکن۔ حیدر آباد (ہند)

ارشاداتِ اختر

(۲)

کل اسی صفحہ پر حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب مدظلہ (کراچی) کے ارشادات کی پہلی قسط دی گئی تھی، آج دوسری قسط ملاحظہ فرمایئے۔ (محمد رضوان القاسمی)

ذکر میں تاثیر دورِ جام ہے

اللہ کے ذکر سے کبھی غافل نہیں ہونا چاہئے۔ ذکر دراصل ایک کنجی ہے جس سے دل کا قفل کھلتا ہے اور طاعت فرمانبرداری میں جی لگتا ہے اور اس کے لئے جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ پھر اس کنجی کے دندانے کو بھی درست رکھنے کی ضرورت ہے تاکہ دل کا قفل آسانی سے کھلے کوئی مشکل اور دشواری پیش نہ آئے۔ اور ذکر کی کنجی کے دندانے کو درست رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ ذکر، فکر و توبہ کو خشوع و خضوع کے ساتھ کیا جائے۔ ایسے ہی ذکر کے خاطر خواہ اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

ذکر کی کنجی کی جو بات میں نے کہی ہے وہ اپنی طرف سے نہیں، بلکہ اس کی دلیل حدیث میں موجود ہے، **ارشاد ہے اللھم افتح اقفال قلوبنا بذکرک** یعنی اے اللہ ہمارے دلوں کے تالوں کو کھول دے اپنے ذکر کے ذریعہ۔

فرمایا کہ ذکر میں صرف کمیت یعنی مقدار و تعداد مطلوب نہیں ہے بلکہ کیفیت بھی مقصود ہے۔ یعنی اللہ کا خیال اور دھیان جس قدر ذکر میں جمایا جائے گا اسی قدر ذاکر کو نفع اور فائدہ ہوگا۔ اور اتنی ہی اس کے اندر طاقت و قوت پیدا ہوگی۔ دیکھئے لومڑی کسقدر بزدل اور ڈرپوک ہے لیکن شیر اگر اس کی پشت پر ہاتھ پھیر دے اور یہ کہے کہ میں تمہارے ساتھ ہوں، تو اس وقت لومڑی چیتے کا جگر بھی نکال سکتی ہے۔ اور اس کے لئے اس کے اندر ہمت پیدا ہو سکتی ہے۔ اسی طرح ذاکر کے ساتھ اللہ کی مدد و نصرت ہوتی ہے اور کسی حال میں تنہائی محسوس نہیں کرتا بلکہ نور ذکر کی برکت سے ذاکر اپنے قلب میں حق تعالیٰ کا خاص تعلق محسوس کرتا ہے جس کو مشائخ معیت خاصہ کہتے ہیں معیت عامہ تو ہر مسلمان کو حاصل ہے۔

فرمایا کہ علامہ سید سلیمان ندویؒ کا ایک شعر "ذکر" کے سلسلہ میں بڑا حقیقت آفریں اور حلاوت آمیز ہے ؎

نام لیتے ہی نشہ سا چھا گیا ذکر میں تاثیر دورِ جام ہے

محبت کے لئے معرفت ضروری ہے

فرمایا کہ فرض کیجئے، کسی کا باپ اس کے بچپن ہی میں باہر چلا گیا ہو اب تیس سال بعد اس کو لوٹنے کی اطلاع ملی ہے۔ دن تاریخ اور وقت مقرر ہے۔ بیٹا، عرصہ دراز کے بعد باپ کی آمد سے خوشی و مسرت سے سرشار ہے

لیکن وہ اپنے باپ کو پہچانتا نہیں۔ اسے خیال آتا ہے کہ ایسی صورت طیارگاہ پر استقبال کے لئے جانے سے بھی کیا فائدہ؟ دوسرے ہی لمحہ اس کے ذہن میں ایک بوڑھے اور کمزور آدمی کا نام آتا ہے جو اس کے باپ کا صورت آشنا ہے، بڑی منت وسماجت کے بعد طیرانگاہ چلنے کے لئے اسے آمادہ کرلیتا ہے طیارہ آیا اور لوگ اتر کر باہر آنے لگے، بیٹا جس بوڑھے کو اپنے ہمراہ لایا تھا وہ ایک گوشہ میں بیٹھا ہے۔ اتنے میں طیارہ سے اتر کر ایک بوڑھا آدمی اس کے پاس آتا ہے جو اپنے باپ کو لینے آیا ہوا تھا۔

بوڑھا مسافر اس سے خواہش کرتا ہے "میں نہایت کمزور ہوں، کئی روز کے سفر سے چکنا چور ہوں۔ للہ آپ تھوڑی دیر کیلئے میرے اس سامان کو سنبھالئے اور کسی طرح ٹیکسی تک پہنچا دیجئے"

وہ آدمی اس پر جھنجھلاتا اور غصہ میں آتا ہے اور کہتا ہے میں خود اپنے والد محترم کو لینے کے لئے آیا ہوں ان کے ساتھ بھی سامان ہوگا۔ جب نہایت تلخی و ترشروئی سے وہ اسے جواب دے رہا تھا، اتنے میں گوشہ میں بیٹھے ہوئے بوڑھے کی نظر اس مسافر پر پڑتی ہے اور وہ لڑکے سے کہتا ہے "یہی تو آپ کے والد ہیں"

اب ایک ہی لمحہ میں اس لڑکے کا انداز بدل جائے گا۔ تعارف ہوجانے کے بعد اسے اپنے تلخ جواب پر ندامت اور شرمندگی اور لجاجت کے ساتھ کہے گا۔ ابا جان! معاف کیجئے پہچانا نہیں، سامان کا اٹھانا تو کجا، آپ مجھ پر سوار ہوکر چلئے۔ میں آپ پر اپنی سو جان نثار کرتا ہوں"!

غور کیجئے جب تک "معرفت نہیں تھی" محبت نہیں تھی، جب معرفت ہوگئی تو "محبت پیدا ہوگئی" اب اپنے محبوب پر سب کچھ قربان کرنے کو تیار ہے

یہی حال اللہ کا ہے، جب تک اللہ کی معرفت حاصل نہیں ہوگی، محبت پیدا نہ ہوگی اور جب تک محبت پیدا نہ ہوگی اس وقت تک اللہ کے لئے کسی کام کو کرنا اور نہ کرنا، آسان نہ ہوگا۔ اور اللہ کی معرفت "اہل معرفت" کی صحبت میں اٹھنے بیٹھنے اور ان سے تعلق پیدا کرنے سے آئے گی۔ چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے الرحمٰن فسئل بہ خبیرا (وہ بڑی رحمت والا، سو پوچھ اس سے جو اس کی خبر رکھتا ہو) یعنی رحمان کی عظمت کو ہر شخص کیا جانے اس کا علم تو باخبر لوگوں کو ہی ہے، ایسے ہی باخبر کے ذریعہ اس کی معرفت و محبت حاصل ہو سکتی ہے۔ اس کے بغیر یہ راہ بڑی پُر پیچ، مشکل اور کٹھن ہے۔ ہر قدم پر بہکنے کا خطرہ لاحق ہوتا ہے۔ اس لئے کسی "باخبر" سے تعلق پیدا کرنا چاہیئے تاکہ وہ بھی باخبر بنے ۔

ان سے ملنے کی ہے یہی اک راہ ملنے والوں سے راہ پیدا کر

تزکیۂ کی ضرورت

فرمایا کہ تزکیۂ نفس ضروری ہے، ہر شخص کو اس کی فکر کرنی چاہئے۔ قرآن مجید میں ہے قد افلح من زکٰھا (تحقیق کہ کامیاب ہوا وہ شخص جس نے نفس کو سنوار لیا) مولانا تھانوی فرمایا کرتے تھے "تزکیہ" چونکہ فعل متعدی ہے اس لئے مفعول کے ساتھ فاعل کی ضرورت ہے۔ یعنی "مُزکی" کی جو اس کا تزکیہ کرے جس طرح "مُربّہ" جو حکیموں کے یہاں ملتا ہے۔ اس کے لئے "مُربی" کی ضرورت ہے۔

۲۳ اپریل ۱۹۷۷ء ۴ جمادی الاوّل ۱۳۹۷ھ

(۳)

شیخ سے مناسبت ضروری ہے

فرمایا کہ جب آپ نے تزکیہ اور شیخ کی ضرورت

داہمیت کو سمجھ لیا، تو اس حقیقت پر بھی آپ کی نظر رہنی چاہیئے کہ شیخ کے انتخاب میں جلدی نہ کی جائے، بلکہ پہلے اس سے ربط و تعلق قائم کر کے مناسبت دیکھ لی جائے اور یہ معلوم کر لیا جائے کہ مزاج و طبیعت کی ہم آہنگی ہو سکے گی یا نہیں؟ جب اس حیثیت سے اطمینان ہو جائے تو بیعت کرے، اس سے انشاء اللہ بڑا فائدہ اور نفع ہوگا، حضرت تھانویؒ کا یہی اصول تھا جب تک آپ کی طبیعت سے کسی کو مناسبت نہ ہو جاتی اس وقت تک سلسلۂ بیعت میں داخل نہیں فرماتے تھے۔

آپ نے دیکھا ہوگا کہ جب ڈاکٹر کسی مریض اور کمزور کو خون چڑھاتا ہے، تو ہر دو خون میں مناسبت دیکھ لیتا ہے۔ اس لئے کہ وہ جانتا ہے، اگر دونوں خون میں مناسبت نہیں ہوگی تو جسے خون چڑھایا جا رہا ہے، اس کے لئے ضرر و نقصان کا باعث ہوگا، بلکہ زندگی بھی خطرے میں پڑ سکتی ہے سوچئے جب "جسمانی زندگی" کے لئے مناسبت ضروری ہے تو کیا "روحانی زندگی" کے لئے مناسبت کی ضرورت نہیں ہوگی؟ بلکہ سچی بات یہ ہے اس زندگی کے لئے پہلی زندگی سے کہیں زیادہ مناسبت کی ضرورت ہے، اس لئے ایک "طالب حق" کو لازمی طور پر اس طرف توجہ کرنی چاہیئے۔

اولیاء اللہ ہر زمانے میں موجود ہیں

فرمایا کہ، لوگ کہا کرتے ہیں کہ آج کل شیخ اور مرشد اچھے نہیں ملتے، اس لئے ہم کہاں اور کس کے پاس جائیں؟ مگر انکی یہ بات صحیح نہیں یہ اللہ تعالیٰ پر ایک طرح کا الزام ہے کیونکہ قرآن مجید میں ارشاد ہے یا ایھا الذین اٰمنوا اتقوا اللہ وکونوا مع الصٰدقین ۝ یعنی اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور (عمل میں) سچوں کے ساتھ رہو۔

اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ ہر زمانے میں اللہ تعالیٰ ایسے "صادقین" کو پیدا فرماتے رہیں گے، ورنہ اللہ تعالیٰ کا بندے سے کسی ایسی چیز کا مطالبہ جس کا وجود اس کے کارخانۂ قدرت میں نہ ہو "تکلیف مالایطاق" ہے، جس سے اس کی ذات بری ہے، جس کی شہادت یہ آیت کریمہ دے رہی ہے لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا " (اللہ تعالیٰ کسی متنفس پر اس کی مقدرت سے بڑھ کر ذمہ داری کا بوجھ نہیں ڈالتا) معلوم ہوا کہ ہر دور اور ہر عہد میں باصدق وباصفا مشائخ کا ہونا لازمی ہے، تاکہ لوگوں کو ان کی صحبت ومعیت کا شرف حاصل ہوتا رہے، جس سے اللہ کی یاد آئے دنیا کی محبت کم ہو، اور آخرت کی فکر بڑھے —— کوئی ان مشائخ اور بزرگوں کو نہ جانے اور پہچانے تو اس کی یہ کورنگاہی" ہے اور طبیعت کی" سہل انگاری کا کرشمہ ہے اس میں قانونِ قدرت کا کوئی قصور نہیں۔

فرمایا کہ دیکھئے، آج کوئی مریض ہوتا ہے تو وہ کسی ڈاکٹر اور حکیم کے پاس علاج کے لئے ضرور جاتا ہے، ایسے مریض کے لئے کبھی یہ کہتے ہوئے نہیں سنا گیا کہ آج کل کے ڈاکٹر اور حکیم اچھے نہیں ہیں۔ اس لئے مجھے اپنی حالت میں رہنے دو، میں علاج نہیں کراتا، ہاں حکیم اجمل خاں اپنی قبر سے باہر آئیں گے تو ان سے میں علاج کراؤنگا —— تو جب لوگ اپنے امراض جسمانی میں اسی زمانے کے حکمائے جسمانی کی طرف رجوع ہوتے ہیں، اور شفا پاتے ہیں. تو کیا اپنے امراض روحانی میں اس دور کے حکمائے روحانی سے ربط وتعلق پیدا کر کے ان امراض سے نجات نہیں پائیں گے؟ یقیناً پائیں گے. اگر لوگوں کے اندر اس کی فکر ہو، اور مرض کا احساس ہو، اور یہ خیال ہو کہ" روح" کی بیماری، جسم کی بیماری سے زیادہ مہلک اور

خطرناک ہے۔

فرمایا کہ آپ کے ہندوستان میں شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مولانا قاری محمد طیب صاحب، مولانا شاہ ابرار الحق صاحب، مولانا مسیح اللہ خان صاحب، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، مولانا محمد منظور نعمانی صاحب، مولانا محمد احمد صاحب پھولپوری، یہ سب حکمائے روحانی ہیں ان میں سے جس کسی کے پاس آپ نیازمندانہ حاضر ہوں گے آپ کی بیمار روح انشاء اللہ شفا پائے گی، اور وہ سکون ملے گا جسے آپ دنیا کی ساری دولت بھی خرچ کر کے حاصل نہیں کر سکتے۔

گر جواں بھی ہے تو میرا پیر ہے

فرمایا کہ شیخ کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ معمر اور سن رسیدہ ہو ایک جواں سال بھی شیخ اور پیر ہو سکتا ہے۔ شیخ سعدیؒ کا مشہور مقولہ ہے۔ ”بزرگی بہ عقل است نہ بسال“۔ یعنی بزرگی کا حقیقی معیار ”عقل“ ہے نہ کہ سال۔ اس لحاظ سے اس شخص کی عمر کم ہوگی جو عقل و ہنر، علم و معرفت اور تقویٰ و طہارت میں کم تر درجہ رکھتا ہے، اور اس شخص کی عمر زیادہ ہوگی جو ان اعتبارات سے درجہ کمال پر فائز ہے، ___ کتنے صحابہؓ تھے جو سن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑے تھے، لیکن اس کے باوجود وہ آپؐ کو اپنا ”معلم اکبر“ اور ”مرشد اعظم“ بنائے ہوئے تھے، سن کی کمی زیادتی اور فرق و امتیاز نے کبھی بھی ان کی ”منزلِ علم و معرفت“ کو کھوٹی نہیں کی۔

ایک واقعہ یاد آیا جس کا تعلق حضرت مرزا جان جاناںؒ سے ہے، لکھا ہے کہ دہلی میں ایک بوڑھا شخص ان سے بیعت ہوا جبکہ یہ ابھی جوان تھے، لوگوں کو معلوم ہوا تو عار دلانے لگے کہ تم کس جوان سے مرید ہو گئے،

کیا وہ تمہارا "پیر" بھی بن سکتا ہے؟

وہ بوڑھا شخص ان تمام باتوں کو صبر و سکون کے ساتھ سنتا رہا، چونکہ اسے حضرت جانِ جاناںؒ کے کمالات اور گوں نہ گوں خصوصیات سے واقفیت تھی، اور دل اس کا ان کے "دام محبت" میں گرفتار ہو چکا تھا اس کے پیش نظر اس نے ایک برجستہ شعر کہا ؎

جس کے دردِ دل میں کچھ تاثیر ہے ــــ گر جواں بھی ہے تو میرا پیر ہے

۲۴؍اپریل ۱۹۷۷ء ــــ ۵؍جمادی الاول ۹۷ھ

(۴)

اگر آپ کے اندر کوئی روحانی اور اخلاقی مرض ہو

فرمایا کہ اگر آپ کے اندر کوئی روحانی اور اخلاقی مرض ہو تو اسے معمولی نہ سمجھئے۔ ممکن ہے آہستہ آہستہ یہ مرض بڑھ کر آپ کی روحانی اور اخلاقی زندگی کی موت کا سبب بنے اس لئے اس کے علاج کی طرف فوری توجہ کیجئے۔ اور جو بھی حالت ہے بلا کم و کاست اپنے شیخ یا کسی بزرگ سے بیان کر دیجئے اس میں نہ کسی طرح کی جھجک محسوس کرنی چاہئے نہ کسی "عار" کو دل میں جگہ دینی چاہئے۔ بزرگان دین تو ایسے لوگوں سے بہت خوش ہوتے ہیں جو بلا تکلف اپنے امراض ان سے بیان کر کے علاج کی خواہش کرتے ہیں ــــ اگر آپ نے اپنی زندگی کا یہ دستور اور معمول بنا لیا، تو دیکھیں گے کہ آپ کس طرح "رذائل" سے پاک ہو کر "فضائل" کی بلندیوں پر فائز ہو جاتے ہیں۔

اصلاح کا اثر حضرت حکیم صاحب "شیخ" کی ضرورت اور اسکی

اصلاح و تربیت کے جو دور رس اثرات انسانی زندگی پر مرتب ہوتے ہیں اس پر روشنی ڈالنے کے بعد اس ذیل میں ایک واقعہ کا ذکر فرمایا۔

دو اچھے عالم ہیں۔ لوگوں میں قدر و منزلت کی نگاہوں سے دیکھے جاتے ہیں۔ مگر شیطان کا سب سے زور دار حملہ عالموں پر ہوتا ہے اس لئے کہ وہ جانتا ہے، ہمارے دشمن تو اصل میں یہی ہیں۔ ایک دفعہ شیطان کے حملہ کی زد میں یہ دونوں بری طرح آ گئے۔ ہوا یہ کہ کسی معاملہ کو بنیاد بنا کر شیطان نے ان دونوں کے درمیان نفرت کا بیج ڈال دیا۔ رفتہ رفتہ اس بیج نے تناور درخت کی شکل اختیار کر لی۔ نوبت بایں جا رسید کہ ہر دو کو ایک دوسرے کی صورت دیکھنا گوارہ نہ تھا۔ ہر جانب سے سخت غم و غصہ کا اظہار، ذہنی گھٹن ان دونوں کو پریشان کر رہی تھی، صلح و صفا کی کوئی دوا کارگر نہ ہوئی۔ بلکہ حال یہ تھا کہ "مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی" ان میں سے ایک کا اصلاحی تعلق ایک مرشد کامل سے تھا۔ ایک دن ان کے دل میں خیال آیا کیوں نہ حضرت کو صورت حال کی اطلاع دے کر مشورہ طلب کیا جائے — چنانچہ انہوں نے خط لکھا۔ یہ خط لکھنا دراصل اس بات کی علامت تھی کہ ان کا دل زندہ ہے اور مرض کا احساس ہے اور جنھیں مرض کا احساس ہوتا ہے تو اس کے علاج کی فکر کرتے ہیں، تو وہ اس سے افاقہ بھی پاتے ہیں۔ جواب میں حضرت نے جو علاج تجویز فرمایا اس کے پانچ اجزا تھے:

(۱) آپ انھیں سلام میں پہل کرنے کی کوشش کریں۔

(۲) کبھی کبھار اپنے گھر پر انھیں بلا کر ناشتہ کی دعوت دیں۔

(۳) ہدیہ و تحفہ دینے کا معمول رکھیں۔

(۴) اپنی مجلسوں میں ان کی خوبیوں کا ذکر کریں۔

(۵) خلوت اور جلوت میں ان کے لئے دعا کریں۔

ان پانچ باتوں میں سے کوئی بات ایسی نہیں تھی جو ان کے نفس اور طبیعت پر بار کا موجب نہ بنے۔ گویا یہ ایک نہایت مفید مگر تلخ دوا تھی جس کا حلق کے نیچے اترنا دشوار تر تھا۔ مگر تجویز شیخ کامل کی تھی، عمل میں لائی گئی۔ آہستہ آہستہ تکدر ختم ہونے لگا۔ نفرت محبت میں بدلتی گئی انبساط نے انقباض کی جگہ لینا شروع کیا۔ یہاں تک کہ دو دل جو کچھ دنوں پہلے بہت دور تھے آپس میں شیر و شکر ہوگئے۔ ہر ایک کا چہرہ دوسرے کے لئے گلاب کی طرح کھلنے لگا۔ انہوں نے خود ایک مرتبہ مجھ سے فرمایا "میں نفرت و عداوت میں جادۂ اعتدال سے بہت دور جا پڑا تھا۔ اگر میں اپنے مرشد سے رجوع نہ کرتا اور وہ میری اصلاح نہ فرماتے تو میں ہلاک ہو جاتا۔ میرا تو جی چاہتا ہے کہ حضرت پر اپنی سو جان فدا کردوں، اور گر گر ان کے قدموں سے لپٹا رہوں" کہ ان کی برکت سے کیسی پرسکون حیات عطا ہوئی۔

فرمایا کہ یہ ہے شیخ کی اصلاح اور ان کی باتوں کو مان لینے کا اثر۔ اگر آج کسی شیخ کامل سے اپنا تعلق قائم کرنے اور ان کی اصلاحی باتوں کو مان لینے کا جذبہ عام ہو جائے تو سیکڑوں برائیاں ہماری زندگی سے نکل جائیں اور ان کی جگہ اچھائیاں لے لیں۔ لیکن آج ہم کسی کو بڑا بنانے میں عار محسوس کرتے ہیں، ہر شخص اپنے آپ ہی کو بڑا سمجھنے لگا ہے جو اس کی طبیعت اور مزاج میں آئے خیال کرتا ہے کہ یہی صحیح ہے اور "خواہش نفسانی" کے بت کی پوجا زور شور سے جاری ہے۔ پھر اس ماحول میں اخلاقی اور روحانی امراض کا علاج ہو تو کیونکر ہو؟ اور زندگی صاف ستھری بنے تو کیونکر بنے ضرورت ہے کہ ہم اپنے اندر بھلے برے کی تمیز پیدا کریں؟ اور اپنی

"اصلاح" سے کسی لمحہ بھی غافل نہ رہیں۔ اور اپنے کو کبھی مستقل بالذات نہ سمجھیں۔ حضرت تھانویؒ فرمایا کرتے تھے کہ جس نے اپنے کو مستقل بالذات سمجھا وہ مستقل بدذات ہو جاتا ہے، ہمیشہ اپنے اوپر کسی بڑے کا سایہ رکھے اور ان سے مشورہ لیتا رہے مشائخ بھی اس سے مستغنی نہیں ہیں انھیں بھی اگر بڑا نہ ملے تو اپنے معاصرین یا چھوٹوں سے مشورہ لے لینا چاہئے۔ اور ارشاد فرمایا کہ شیخ اول کے انتقال کے بعد فوراً دوسرا شیخ منتخب کر لینا چاہئے۔

ہفت اختر

حضرت حکیم صاحب مدظلہٗ نے مجلس کے آخر میں جو باتیں ارشاد فرمائی ہیں انھیں ہم اختصار کے پیش نظر "سات" میں محصور کر کے مجموعی طور پر ایک ہی عنوان کے تحت ذیل میں پیش کر رہے ہیں۔

(۱) آج کل "بدگمانی" کی بیماری عام ہے اچھے اچھے لوگ اس میں مبتلا نظر آتے ہیں۔ ہمارے دینی مدارس بھی اس سے خالی نہیں رہے، عام حیثیت سے بھی اور ان مدارس میں بھی ایک دوسرے سے اعتماد اٹھتا جا رہا ہے۔ اسکی بنیادی وجہ یہی "بدگمانی اور غلط فہمی" ہے، اس لئے ہمیشہ ایک دوسرے سے ذہن صاف رکھنا چاہئے۔ خوش گمانی قائم رکھنی چاہئے اور بدگمانی کو راہ دینے والی کوئی بات سامنے آئے تو خلوص اور محبت کی فضا میں تحقیق کر لینی چاہئے یاد رکھئے قیامت میں بدگمانی پر دلائل طلب کئے جائیں گے، خوش گمانی پر نہیں، اس لئے ایسا کام کیوں کیا جائے جس میں گرفت اور مواخذہ ہو، اور وہ کام کیوں نہ کیا جائے جس میں چھوٹ اور آزادی ہو۔

(۲) آج کل بہت سے عالم احساس کمتری کے شکار ہیں، وہ بھی دنیا کی

طرف للچائی نظروں سے دیکھتے ہیں حالانکہ ان کے پاس جس علم کی انمول دولت ہے اس سے دنیا کا خزانہ خالی ہے ۔ عالموں کو احساس بلندی پیدا کرنا چاہئے اور اپنی قدر و قیمت پہچاننی چاہیئے تبھی دوسرے لوگ ان کی قدر و قیمت پہچانیں گے ۔

(۳) آپ دین کے کاموں میں ایک دوسرے کے رفیق بنیئے، فریق نہ بنیئے ۔

(۴) حضرت ہردوئی دامت برکاتہم فرماتے ہیں اگر کسی میں کوئی برائی نظر آئے تو نکیر تو کیجئے مگر تحقیر نہ کیجئے ۔

(۵) پیر وہ ہے جو "پیر" دل کے اور گناہوں کے کانٹے نکال دے ۔

(۶) مفردوں سے مراد وہ ذاکرین ہیں جو اللہ کا ذکر والہانہ اور عاشقانہ کرتے ہیں حدیث پاک میں انکی تعریف آئی ہے کہ وہ سبقت لیجاتے ہیں

(۷) کسی انسان کو خارش ہو تو جب تک وہ اپنے جسم کو کھجلاتا رہتا ہے، بڑا مزا آتا ہے لیکن چھوڑنے کے بعد ہی اس کی لہر شروع ہو جاتی ہے اور وہ اذیت محسوس کرتا ہے ۔ یہی حال گناہ کی لذتوں میں پڑے ہوئے انسان کا ہے جب موت اسے نکالے گی تو اس کا مزا چکھ لے گا ۔ اور پورے طور پر اس کی لہر اور اذیت کو محسوس کرے گا ۔

---

۶ جمادی الاول ۱۳۹۷ھ　　　　۲۵ اپریل ۱۹۷۷ء

(۵)

باتیں انکی یاد رہیں گی

محترم مولانا حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم کے "تعارفی خاکہ" کے ساتھ ان کی اس مجلس کے بعض گرانقدر ارشاد آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں جو

جو ۲۹ ربیع الثانی ۱۳۹۷ھ سہ شنبہ کو مدرسہ فیض العلوم باقربلاغ، حیدرآباد میں منعقد ہوئی تھی۔ چونکہ حضرت حکیم صاحب ایک "صاحب علم" صاحب دل بزرگ ہیں اور ان کی باتیں بیک وقت "دل" اور "دماغ" دونوں کو متوجہ کرتی ہیں، اس لئے خیال آیا کہ انکی جس مجلس اور جس وعظ میں راقم الحروف کو شرکت کی سعادت نصیب ہوئی ہے، اس میں آپ کو بھی شریک کرلیا جائے۔ اس شرکت اور مل بیٹھنے کو غنیمت ہی سمجھنا چاہیئے۔ کیونکہ عنقریب پاکستان واپس تشریف لے جانے والے ہیں ع "مبادا پھر بہار آئے نہ آئے" اگرچہ ان کو دیکھنے والی آنکھیں، سننے والے کان اور محسوس کرنے والے دل، اس بہار کے بار بار آنے کی تمنا لئے ہوئے ہیں لیکن یہ بھی سچ ہے ع مقدر سے ملا کرتی ہیں غافل وصل کی راتیں

۲، جمادی الاوّل ۱۳۹۷ھ پنجشنبہ کو بعد نماز عشاء مسجد عامرہ حیدرآباد میں حضرت حکیم صاحب کا وعظ مقرر تھا، ہم اس صحبت میں اسی وعظ کے بعض اہم اقتباسات ذیل میں پیش کرتے ہیں۔

چین کی نگری

فرمایا کہ آج لوگ سمجھتے ہیں کہ چین بیوی میں ہے اولاد میں ہے دوست احباب میں ہے، مال و دولت میں ہے، حکومت و سلطنت میں ہے، زمین جائداد میں ہے، تجارت و ملازمت میں ہے، لیکن سب جانتے ہیں اور سب کا تجربہ ہے کہ ان چیزوں میں چین تلاش کرنے والے بے چین ہیں، ان کو سکون و قرار نہیں، اس بھری دنیا میں انکا دل بڑا اجڑا سا ہے، پھر آخر ایک انسان چین کہاں اور کس طرح پا سکتا ہے اس کا جواب قرآن نے یہ دیا ہے:

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ

(وہ لوگ جو ایمان لائے انکے دل اللہ کی یاد سے چین پاتے ہیں سن لو! اللہ کی یاد ہی سے دل چین پاتے ہیں)

یعنی دنیا کی کسی چیز میں چین نہیں ہے، چین کی نگری تو اس دل میں بسی ہوئی ہوتی ہے جس دل کو تعلق مع اللہ ہوتا ہے اور جو دل اللہ کے ذکر اور اللہ کی یاد سے کسی لمحہ غافل نہیں رہتا۔

فرمایا کہ دنیا کی ہر چیز فانی ہے، جب انسان یہاں کسی چیز سے اپنا اپنا دل جوڑ لیتا ہے تو اس کے فنا اور زائل ہو جانے کا خطرہ ہر وقت لگا رہتا ہے، ظاہر ہے ایسی صورت میں دل چین کیسے پا سکتا ہے؟ اللہ کی ذات چونکہ باقی ہے، وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا، اس لئے جب کوئی شخص اللہ سے تعلق قائم کر لیتا ہے اور اسی کو اپنے دل میں بسا لیتا ہے اس کے ذکر سے اپنی زبان کو تر رکھتا ہے، تو اسکی وجہ سے اس کے دل کو دوام سکون حاصل ہو جاتا ہے۔ ذکر اللہ کا نور ایسے شخص کے قلب سے ہر طرح کی دنیوی وحشت اور گھبراہٹ کو دور کر دیتا ہے اور حقیقی اطمینان سے اسے ہمکنار کرتا ہے۔

اللہ میں اپنی آہ کو سمو دیجئے

فرمایا کہ اللہ کو ہمیشہ یاد کیجئے، اسی سے لو لگائیے اور تعلق جوڑیئے، "اللہ" کہتے ہوئے اسے قدرے کھینچئے، پھر دیکھئے کتنا مزا آتا ہے۔ اس وقت ایسا معلوم ہوگا کہ گویا اس لفظ "اللہ" میں آپ نے "اپنی آہ" بھی سمو دی ہے اور اپنی ساری فریاد اس لفظ کے ادا کرنے کے ساتھ ہی اس کے دربار میں پیش کر دی۔

بزرگانِ دین کو اہل دل کہنے کی وجہ

فرمایا کہ ایک دن مجھے خیال آیا دل تو ہر انسان کے سینہ میں ہے، اس لئے ہر شخص "اہل دل" ہے پھر اللہ والے کو بہ خصوصیت کے ساتھ "اہل دل" کیوں کہتے ہیں۔ غور کرنے پر معلوم ہوا کہ انھیں "اہل دل" اس لئے کہنا مناسب ہے کہ یہ اپنا دل، اللہ کو دے چکے ہوتے ہیں،

ہر وقت ان کا دل اللہ کے پاس ہی ہوتا ہے، جب دل، دل دینے والے کو کسی نے دیدیا، تو اسے اہل دل ہی کہنا چاہئے ے

اہل دل آنکس کہ حق را دل دہد　　　دل دہد اور اکہ دل را مید ہد (اختر)

چھینک کے وقت الحمد للہ کہنے کی حکمت

فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت فرمائی کہ اگر کسی کو چھینک آئے تو وہ "الحمد للہ" (تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں) کہے۔ لوگوں نے اس موقع پر "الحمد للہ" کی تعلیم دیئے جانے کی مختلف حکمتیں بیان کی ہیں لیکن ایک حکمت ان سب میں نرالی ہے۔ شاید آپ نے یہ حکمت نہ کسی کتاب میں پڑھی ہو نہ کسی سے سُنی ہو، وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو بہترین شکل و صورت میں بنایا ہے مگر جب اس کو چھینک آتی ہے تو اس وقت اس کی شکل بگڑ جاتی ہے چونکہ چھینک کے بعد شکل اپنی حالت پر عود کر آتی ہے اور اس کا بگاڑ ختم ہو جاتا ہے اس لئے حکم دیا گیا کہ "الحمد للہ" کہو، تاکہ اللہ کی عظیم نعمت جو تم سے خواہ ایک آن کے لئے ہی سہی، مگر چھین لی گئی تھی، اور اب واپس دیدی گئی ہے۔ اس پر تمہاری طرف سے "شکر" ادا ہو سکے۔

سوچئے، چھینک کے بعد "الحمد للہ" کہنا بظاہر کتنی معمولی بات ہے، لیکن اس میں کتنی بڑی حقیقت پوشیدہ ہے۔ شریعت کی ہر تعلیم میں اس طرح کی حکمتیں چھپی ہوئی ہیں۔ خواہ ہمیں ان کا ادراک ہو سکے یا نہیں، تاہم ہم ہر تعلیم پر عمل کرنے کے پابند ہیں۔ یہی پابندی ایک بندہ کو خدا کا بندہ بنا دیتی ہے۔ یہ حکمت الحمد للہ کہنے کی حضرت مولانا گنگوہیؒ نے ارشاد

فرمایا ہے۔ جس کو احقر نے اپنے شیخ مرشد حضرت پھولپوریؒ سے سنا ہے۔

۲۶ اپریل ۱۹۷۷ء ۷ جمادی الاول ۱۳۹۷ھ

(۶)

اور اس کا دماغ روشن ہوگیا

فرمایا کہ ایک صاحب خدا کے قائل نہیں تھے، وہ کہا کرتے تھے، اس دنیا میں مقناطیسی نظام قائم ہے، اسی نظام نے دنیا کی ہر چیز کو اپنی اپنی جگہ پر تھام رکھا ہے اور کارخانۂ عالم چل رہا ہے، جب انہوں نے اپنے اس نظریہ کا اظہار ایک بزرگ کے سامنے کیا تو انہوں نے ایک لٹھ اٹھا کر اس کے سر پر مارا۔ ملحد نے کہا۔ خدا اگر ہے تو اس کا ثبوت آپ کو دلائل سے دینا چاہیے، یہ عجیب بات ہے کہ آپ مجھے مار بیٹھے اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے پاس اس سلسلے میں کوئی دلیل نہیں۔

بزرگ نے فرمایا: میں نے آپ کو کہاں مارا؟

ملحد نے کہا: آپ جھوٹ بول رہے ہیں، آپ نے ہی مجھے مارا ہے،

بزرگ نے جواب دیتے ہوئے فرمایا۔ میں نے نہیں مارا بلکہ یہ آپ کے دماغ کا مقناطیسی اثر ہے جس نے اس لاٹھی کو اپنی طرف کھینچ لیا۔ چونکہ آپ کے دماغ میں مقناطیسی اثر کم ہے اس لئے لاٹھی ہلکے انداز سے کھینچی، اس لئے آپ کو مار لگی، مگر ہلکی، وگرنہ زیادہ ہونے کی صورت میں لاٹھی پوری قوت کے ساتھ کھینچتی، اور آپ کو مار شدید پڑتی"۔

ملحد نے اپنی پہلی بات دہرائی، جس پر بزرگ نے فرمایا:

جب ایک معمولی لاٹھی کسی کے اٹھائے اور چلائے بغیر نہ اٹھ سکتی ہے

نہ کسی پر چل سکتی ہے، اور آپ کو یہاں کوئی مقناطیسی شئ نظر نہیں آرہا ہے تو یہ زمین و آسمان اور چاند، ستارے، سورج کا اتنا بڑا اور ہمہ گیر نظام کسی کے چلائے بغیر کیونکر چل سکتا ہے؟ یہاں بھی تو کسی ذات کو ماننا پڑے گا، جو عالم کے سارے نظام کو اپنے "قبضۂ قدرت" میں رکھ کر چلا رہی ہے، اور وہی خدا ہے۔"

بزرگ کی کہی ہوئی بات ملحد کے دل میں اتر گئی، ایک لاٹھی نے اسکے دماغ کو روشن کر دیا، اور تائب ہو کر خدا کی طرف رجوع ہوا۔ حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ (مؤلف تعلیق الصبیح، شرح مشکوٰۃ) خدا کے وجود پر اس واقعہ کو "دلیل لٹھ" فرمایا کرتے تھے، اور میں اسے "لاٹھی دماغ روشن کرنے والی" کہا کرتا ہوں۔

آج مغربی نظامِ تعلیم اور عصری تہذیب و تمدن نے بہت سے نوجوانوں کو خدا سے دور کر دیا ہے، اور وہ تشکیک اور الحاد و دہریت کی وادئ نامراد میں سرگرداں ہیں، ضرورت ہے کہ اس زبان و بیان میں انہیں سمجھا کر خدا سے قریب کیا جائے جس زبان و بیان کو یہ سمجھنے کے عادی ہیں، ہر شخص کے مناسب حال گفتگو کرنا اور "علوم نبوت" سے اس کے دماغ کو روشن کر کے اسے "راہ راست" پر لانے کی برموقع تدبیر اختیار کرنا، یہی "حکمت" ہے اور یہ حکمت بزرگوں کی صحبت سے خوب سمجھ میں آتی ہے۔

علم نبوت تو ہے، مگر نور نبوت نہیں

فرمایا کہ: علامہ سید سلیمان ندویؒ کا شمار علم و فضل کے اعتبار سے اونچے لوگوں میں ہوتا ہے، جب یہ زندہ تھے ہر طرف ان کے علم کا شہرہ

اور غلغلہ تھا۔ مرنے کے بعد بھی ان کا "علمی احترام" کم نہ ہوا۔ شروع میں انکے دل میں "اہل اللہ" کی کوئی وقعت وعظمت نہیں تھی یہ سمجھتے تھے کہ انہیں دنیا میں کوئی کام نہیں رہ گیا ہے اس لئے "چہار دیواری" میں محصور ہو کر رہ گئے ہیں مگر جب ایک نادیدہ قوت انہیں کشاں کشاں مولانا تھانویؒ کے پاس لے گئی اور ان سے "اصلاحی تعلق" قائم ہو گیا تو ان کے فکر و نظر کا پیمانہ بدل گیا، اس کے بعد تو انہیں اس وقت تک کی اپنی تصانیف اور علمی تحقیقات "جسدِ بے روح" کی طرح نظر آنے لگیں، وہ فرمایا کرتے تھے "علم کا مزہ تو اب ہم نے پایا ہے" جب ان کی یہ "نظر" کھلی تو صاحب دل "اہل نظر" کی باتیں کرنے لگے۔

چنانچہ ایک دفعہ **فرمایا کہ** "آج کل ہمارے علمائے کے اندر مدرسوں میں رہنے کی وجہ سے "علم نبوت" تو آجاتا ہے لیکن "نور نبوت" نہیں آتا جس طرح یہ علم نبوت کو حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اسی طرح انہیں نور نبوت کی تحصیل میں بھی سعی کرنی چاہئے۔ جس کے لئے "اہل دل" کی صحبت وخدمت ضروری ہے۔

واقعہ ہے، سید صاحبؒ نے ایک گہری حقیقت کی طرف توجہ دلائی ہے۔ علماء کو نبوت کا علم اور نور دونوں اپنے اندر جمع کرنا چاہئے اسی وقت ان کا کام، اخلاص وللہیت کی وجہ سے شکل دوام اختیار کرے گا اور اللہ کے بندوں کو ان سے بھرپور فائدہ پہنچے گا۔ حضرت سید سلیمان ندویؒ نے حضرت شیخ تھانویؒ کی مجلس اور تاثیر صحبت پر چند اشعار فرمائے ہیں سے

ایسے کچھ انداز سے تقریر کی   پھر نہ پیدا شبۂ باطل ہوا

آج ہی پایا مزہ ایمان میں جیسے قرآں آج ہی نازل ہوا

عالم کا سونا عبادت کیوں

فرمایا کہ وہ عالم دین جس کا اوڑھنا بچھونا دین ہے، اور ہمہ وقت دینی خدمت میں مصروف رہتا ہے اللہ کے نزدیک اسی کا بڑا اونچا مقام ہے ایسے عالم کا دیکھنا بھی عبادت ہے اور اس کا سونا بھی عبادت ——— عالم کے سونے پر مجھے ایک واقعہ یاد آیا، جسے میں نے حضرت پھولپوریؒ سے سنا تھا واقعہ یہ ہے۔

ایک دفعہ ایک شخص نے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے سوال کیا۔ "حضرت! حدیث سے تو معلوم ہوتا ہے کہ عالم کا سونا بھی عبادت ہے، مگر اس کا عبادت ہونا سمجھ میں نہیں آتا؟۔

حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا ایک بڑھئی ایک شخص کا دروازہ بناتا ہے، اسے اپنے کام کے دوران میں بعض اوزاروں کو پتھر پر گھسنے کی ضرورت بھی پیش آتی ہے تاکہ اوزار کے تیز ہو جانے کے بعد اس سے صحت اور تیزی کے ساتھ کام لے اب یہ بتائیے کہ بڑھئی جب اوزار کو تیز کر رہا ہوتا ہے اس وقت دروازہ تو وہ نہیں بناتا ہے لیکن اس کو اس وقت کی مزدوری ملے گی یا نہیں؟ پوچھنے والے نے جواب دیا، ہاں ضرور ملے گی۔ پھر حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا، جب ایک بڑھئی کو اوزار تیز کرنے کے وقت کی مزدوری ملے گی، اور یہ وقت مزدوری ہی میں شمار ہوگا، منہا نہ کیا جائے گا، اسی بنیاد پر کہ اوزار کو تیز اس لئے کیا جا رہا ہے کہ آئندہ اسی سے کام لے گا، تو سوچئے کہ ایک عالم بھی تو اسی لئے سوتا ہے، تاکہ سونے کے بعد اس کی تھکن اور اضمحلال دور ہو، اور نشاط،

مستعدی اور چاق چوبندی کے ساتھ دین کی خدمت کر سکے، اس صورت میں اس کا سونا کیوں نہ عبادت قرار پائے اور اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کی مزدوری کیوں کاٹی جائے، جبکہ اللہ کے بندے کے یہاں ایک بڑھئی کی مذکورہ بالا صورت میں مزدوری نہیں کٹتی ہے یہ تقریر بھی احقر نے اپنے مرشد پھولپوری رح سے سنی تھی۔

---

۲۷ اپریل ۱۹۷۷ء — ۸ جمادی الاول ۱۳۹۷ھ

(۷)

زمین کی شہادت

فرمایا کہ جب حشر برپا ہوگا، اس دن زمین کے پیٹ اور پیٹھ کی ساری چیزیں ظاہر ہو جائیں گی۔ مُردے، سونا، چاندی اور دیگر جو بھی دفینے اور معدنیات زمین کے اندر ہیں، اس کے لئے آپس میں لڑتے جھگڑتے ہیں۔ خون خرابہ ہوتا ہے۔ لیکن اس دن یہ باہر پڑے ہوں گے اور کوئی نظر اٹھا کر دیکھنے والا نہ ہوگا۔ اور سب جان لیں گے یہ کس قدر بے حقیقت ہیں۔

اسی طرح مومن اور کافر ہر انسان سے جو بھی اچھا عمل یا بُرا عمل صادر ہوتا ہے، وہ زمین ہی پر ہوتا ہے۔ آج یہ زمین بے زبان ہے، لیکن حشر کے دن قادر مطلق کے حکم سے زمین میں قوت گویائی آجائے گی، یعنی ساکت، ناطق ہو جائے گی۔ اور چھوٹے بڑے اچھے بُرے، ہر ہر واقعہ کی پوری پوری شہادت پیش کرے گی۔ گویا آج یہ زمین زندگی کے تمام اقوال و افعال اور حرکات و سکنات کو جوں کا توں ٹیپ کر رہی ہے کل ٹیپ کا

بند کھول دیا جائے گا۔ اور پورا ٹیپ کیا ہوا مواد سامنے آجائے گا۔ مثلاً کہے گی۔ فلاں شخص نے نماز پڑھی تھی، فلاں، فلاں کی مصیبت میں کام آیا تھا، فلاں ہر کارِ خیر میں آگے بڑھ کر حصہ لیتا تھا، فلاں اللہ کے سامنے سر نیاز خم نہ کرتا تھا اور اس کے ہر حکم سے سرتابی کرتا تھا، فلاں نے چوری کی تھی، ظلم کیا تھا، خونِ ناحق بہایا تھا۔ ان حقائق کو قرآن مجید کی ان آیات میں بیان کیا گیا ہے: اذا زلزلت الارض زلزالھا الخ

ترجمہ :۔ "جب کہ زمین اپنی جنبش سے خوب ہی ہلا ڈالی جائے گی اور زمین اپنے بوجھ باہر پھینک نکالے اور آدمی بول اٹھے کہ اسے (یہ) ہوا کیا؟ اس دن زمین اپنی سب چیزیں بیان کر گذرے گی، یہ اس لئے کہ آپ کے پروردگار کا حکم اسے یہی ہوگا۔

(الزلزال آیت ا تا ۵)

زمین کی اس "عظیم شہادت" کے پیشِ نظر شیخ محی الدین ابن عربی رح نے ایک بڑی "حکیمانہ بات" ارشاد فرمائی۔ فرماتے ہیں! جس زمین پر انسان سے کسی گناہ کا صدور ہو جائے تو اسے چاہیئے کہ اس جگہ کوئی نیک کام بھی کر دے تاکہ وہ زمین جو حشر کے دن اس کے گناہوں کی گواہی دے، ساتھ ہی نیکی کی شہادت بھی پیش کرے اور معاملہ برابر ہو جائے۔" بلکہ نیکی پر تو وعدہ ایک پر دس دینے کا ہے۔

حضرت علی رض کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ جب آپ "بیت المال" کا سارا مال "اہل حقوق" میں تقسیم فرما دیتے اور بیت المال خالی ہو جاتا تو اس میں دو رکعت نماز ادا کرتے اور پھر فرماتے "تجھے قیامت میں شہادت دینی ہوگی کہ میں نے تجھ کو حق کے ساتھ بھرا، اور حق کے ساتھ خالی

کردیا — اس لئے زمین پر رہتے ہوئے ہمیں غافل نہیں رہنا چاہیئے بلکہ ہم ہوشیار اور چوکنا رہیں کہ ایک دن وہ آنے والا ہے جس دن زمین ہمارے تمام اعمال اور حرکات و سکنات کی ٹھیک گواہی اللہ کے حضور پیش کرے گی، بڑے خوش نصیب ہوں گے وہ لوگ جن کے حق میں زمین کی گواہی نجات کا ذریعہ ہے۔

دوا کے ساتھ پرہیز بھی ضروری

فرمایا کہ کسی کو پیچش ہو، حکیم اس کے لئے "اسپغول" تجویز کریں، وہ اس کو استعمال تو کرے، لیکن ساتھ کباب اور چٹنی بھی کھاتا رہے، بتلایئے اس بد پرہیزی میں اسپغول کیا کام دے گا۔ اس وقت تو اور بھی غضب کے مروڑ آئیں گے۔ اسی طرح آپ اپنے مرض روحانی میں عمل صالح کی دوا تو استعمال کریں مگر گناہ کی بد پرہیزی بھی جاری رہے تو اس طرح عمل صالح کی دوا سے آپ کا مرض روحانی کیوں کر زائل ہوگا ایک گناہ کے بعد دوسرے گناہ کا اور بھی ذوق بڑھ جاتا ہے۔ اس لئے جس طرح صحت جسمانی کے لئے اچھی دوا کے ساتھ پرہیز لازمی ہے اسی طرح صحت روحانی کے لئے بھی "اعمال صالحہ" کے اہتمام کے ساتھ برائیوں سے بچنا ازبس ضروری ہے۔ اس کے بغیر صحت کی توقع فضول ہے۔

حضرت تھانویؒ فرماتے تھے "ایک گناہ سے بچنا، ایک ہزار رکعت تہجد پڑھنے سے بہتر ہے۔

ترقی کا صحیح مفہوم

فرمایا کہ ترقی کی دو قسمیں ہیں۔ ظاہری ترقی، حقیقی ترقی، اللہ سے غافل ہو کر جس ذریعہ اور

جس طریقہ سے بھی ترقی کی جائے وہ ظاہری ترقی ہو گی۔ حقیقی اور اصلی ترقی وہ ہے جو اللہ سے تعلق قائم کرتے ہوئے کی جائے۔ اسے ایک مثال سے سمجھے۔

ایک شخص مقویات کا استعمال کرے بادام اور میوے خوب کھائے یقیناً اس سے اس کا جسم فربہ ہوگا، وہ صحت مند اور تندرست ہوگا، لیکن ایک شخص وہ ہے جس کا جسم مقویات کے استعمال سے نہیں بلکہ ضرب شدید یا کسی بیماری سے ورم کر جائے۔ اب دیکھئے دونوں جگہ جسم کی ترقی ہے۔ مگر پہلی ترقی حقیقی ہے اور دوسری ترقی ہلائے ہلائے والی ترقی ہے۔

اسلام پہلی ترقی کی دعوت دیتا ہے، جس میں اطمینان ہے، قرار اور دلجمعی ہے۔ دوسری ترقی سے اس کا کوئی سروکار نہیں۔ یہ تو ہمیشہ انسان کو مضطرب اور بے چین رکھتی ہے۔ ننانوے کے پھیر سے اس کا قدم نکلتا نہیں اور سیر کبھی ہوتا نہیں۔ یہ ترقی انسان کو ہوا و ہوس اور حرص و لالچ کا غلام بنائے رکھتی ہے۔ قناعت اور صبر و سکون سے اس کا دامن خالی ہے۔

اس ترقی کے لئے یورپ اور امریکہ کی مثال آپ سامنے رکھ سکتے ہیں آپ کو چاہئے کہ ترقی کے صحیح مفہوم سے واقف ہوں۔ اور اسی ترقی کے دل و جان سے شیدا ہوں اور ظاہری ترقی کی طمع میں نہ آئیں کہ یہ ترقی باعث پریشانی اور بے سکونی ہوتی ہے۔

۲۸ر اپریل ۷۷ء ۹ر جمادی الاولی ۱۳۹۷ھ

(۸)

کسی خدا کی یہ مت کر خاک اپنی زندگانی کو

فرمایا کہ آج انسان اپنی توانائیوں اور صلاحیتوں کو مختلف

انداز اور مختلف طریقے سے "خاک" پر صرف کر رہا ہے، خاک کا بدن، خاک کا مکان، خاک کی دکان، خاک کی فیکٹری، خاک کی غذا، خاک کے کپڑے، غرض یہ کہ جس طرف نظر اٹھائیے، ہر ایک کی اصل خاک ہے، اور اسی خاک کو بنانے اور سنوارنے کی محنت ہر سو جاری ہے، لیکن ظاہر ہے خاک پھر خاک ہے، جب "خاکی انسان" خاکی چیزوں پر اپنی زندگانی کو خاک کرے گا تو اس کا ٹوٹل اور جمع بھی "خاک" ہی ہوگا اور آخرت میں سوائے حسرت وندامت کے کچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔ اگر کوئی ان "خاکی چیزوں" کی "بازار آخرت" میں قیمت چاہتا ہے، تو انہیں احکام الٰہی کا پابند بنادے اور اپنی پوری جوانی و زندگانی اس کے دینے والے اللہ پر فدا کردے، پھر دیکھے کہ وہ کس قدر دنیوی اور آخروی سعادتوں سے نوازہ جاتا ہے اور اسے کتنا اعلیٰ اور ارفع مقام ملتا ہے — اس سلسلے میں یہ شعر بڑا حقیقت آفریں ہے۔ جو احقر ہی کا ہے۔

؎ کسی خاکی پہ مت کر خاک اپنی زندگانی کو
جوانی کر فدا اس پر کہ جس نے دی جوانی کو

دنیوی زندگی — دھوکہ سامان

فرمایا کہ دنیا کی ہر چیز فانی اور آنی جانی ہے، یہاں نہ بہار کو قرار ہے نہ خزاں کو، نہ راحت کو نہ مصیبت کو، نہ غم کو نہ خوشی کو، نہ مال و دولت کو نہ عہدہ و منصب کو، نہ بیوی بچوں کو، نہ دوست احباب کو۔ یعنی بڑی سے اور چھوٹی سے چھوٹی کسی چیز کو یہاں قرار نہیں۔ سب آنکھیں چرانے والی ہیں، یہاں تک کہ خود انسان کی زندگی اور صحت اس سے

بے مروتی اور بے وفائی کا ہر روز اعلان کرتی ہے، قرآنِ مجید نے دنیوی زندگی کی حیثیت کو بڑے دلنشین انداز میں سمجھایا ہے،

ارشاد ہے:- (ترجمہ) "خوب جان لو کہ دنیوی زندگی محض ایک کھیل کود اور ظاہری خوشنمائی اور آپس میں ایک دوسرے پر فخر کرنا اور مال و اولاد میں ایک دوسرے پر برتری جتلانا ہے، گویا کہ بارش ہے کہ اس کی پیداوار کاشتکاروں کو اچھی معلوم ہوتی ہے، پھر خشک ہو جاتی ہے، سو تو اسے زرد دیکھتا ہے، پھر وہ چورا چورا ہو جاتی ہے اور آخرت میں عذاب شدید بھی ہے، اور اللہ کی طرف سے مغفرت اور خوشنودی بھی اور دنیوی زندگی محض دھوکے کا سامان (مَتَاعُ الْغُرُوْرِ) ہے۔" (الحدید آیت ۲۰)

مطلب یہ ہے کہ اس عارضی و فانی دنیا کے برعکس عالم آخرت باقی ولازوال ہے، اور وہاں کی کیفیتیں دو ہیں، دونوں ثابت و باقی، ایک کافروں کے لئے اور وہ عذاب شدید ہے، دوسری ایمان والوں کے لے اور اللہ کی مغفرت و رحمت ہے، اب انسان کو اختیار ہے کہ ان دو میں سے جس کو چاہے اپنا مقصود اعظم بنالے۔ احقر کا شعر ہے

ع یوں تو دنیا دیکھنے میں کس قدر خوش رنگ تھی
قبر میں جاتے ہی دنیا کی حقیقت کھل گئی

اس کے باوجود، ہم لوگ اس پر جان نچھاور کرتے رہتے ہیں اور اسکی فکر اور چکر میں پڑ کر اللہ کی بلند و بالا ذات کو بھول جاتے ہیں۔ یعنی ہم نے دنیا اور "متاع دنیا" کو "لیلیٰ" بنا کر اپنے "مولیٰ" کو فراموش کر دیا ہے، جو کس قدر غفلت کیشی اور انجام سے بے خبری کی بات ہے ع

قدم سوئے مرقد، نظر سوئے دنیا کدھر جا رہا ہے، کدھر دیکھتا ہے

تمت بالخیر

تصانیف
حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم
خلیفہ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم

۱ ـــــ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں دنیا کی حقیقت۔
۲ ـــــ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتیں۔
۳ ـــــ معارف مثنوی۔
۴ ـــــ معارف شمس تبریز۔
۵ ـــــ کشکول معرفت۔
۶ ـــــ روح کی بیماریاں اور ان کا علاج (کامل)۔
۷ ـــــ معرفت الٰہیہ۔
۸ ـــــ معیت الٰہیہ۔
۹ ـــــ مجالس ابرار (کامل)۔
۱۰ ـــــ صدائے غیب۔
۱۱ ـــــ ملفوظات حضرت مولانا شاہ عبد الغنی پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ۔
۱۲ ـــــ بدنظری و عشق مجازی کی تباہ کاریاں اور اس کا علاج
۱۳ ـــــ صحبت اہل اللہ اور اس کے فوائد۔
۱۴ ـــــ دستور تزکیہ نفس۔
۱۵ ـــــ تسہیل قواعد النحو۔
۱۶ ـــــ ایک منٹ کا مدرسہ۔
۱۷ ـــــ قرآن و حدیث کے انمول خزانے۔
۱۸ ـــــ مواعظ حسنہ
۱۹ ـــــ نالۂ درد
۲۰ ـــــ مثنوی اختر (فارسی کلام)
۲۱ ـــــ نذرانۂ عقیدت در بارگاہ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم

ملنے کا پتہ

کتب خانہ مظہری گلشن اقبال، بلاک نمبر ۲، پوسٹ بکس نمبر ۱۱۱۸۲، کراچی ۴۷۔ فون: ۴۶۸۱۱۲